

مسرحية
الانتخابات الأمريكية
والأرجل العليظة !!



بقلم
أسد الجهاد ٢



كتاب الجهاد الإسلامي

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مسرحیۃ الانتخابات الأمريكية والأرجل الغليظة

امریکی انتخابات کا ڈرامہ

اور ناپاک قدم

بقلم: اسد الجہاد حفظہ اللہ

ترجمہ: ابوجنید سلفی حفظہ اللہ

مسلم ورلڈ ویٹا پروسسنگ پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله ناصر المومنين ومذل الكافرين . والصلاة والسلام على المبعوث
بالسيف رحمة للعلمين .

میں امریکہ کے معاملات میں بحث کرنا پسند نہیں کرتا اس لیے کہ اس قوم سے متعلق بات کرتے ہوئے مجھے ابکائیاں آتی ہیں۔ لیکن ان کے ڈرامے جسے یہ لوگ انتخابات کہتے ہیں سے پردہ اٹھانے کے لیے میں نے یہ موضوع اختیار کیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ امریکہ کو تباہ کر دے اور اس کے معاشرے کو بکھیر کے رکھ دے اسے ذلیل و رسوا کر دے۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ امریکی حکومت ہمیشہ سے کمزور حکومتوں کی تلاش میں رہتی ہے تاکہ اس کے خلاف جنگ شروع کر سکے اس کے باشندوں کو ہلاک کر کے اس ملک کے وسائل پر قبضہ کر سکے۔ اور دوسرے ممالک پر اپنا رعب جما سکے اس کے لیے اپنے نشریاتی اداروں کو استعمال کیا اس کے ذریعے سے وہ دنیا پر قبضہ کرنا چاہتی ہے حالانکہ یہ امریکہ کی قوت کی وجہ سے نہیں بلکہ مقابل کی کمزوری ہے۔ امریکہ نے اپنی طاقت سے کام لے کر جنگوں کے شعلے بھڑکا دیے اور کمزور حکومتوں پر قبضہ کر لیا ان کے حکمرانوں کو غلام بنالیا اور ان کو اپنا فرمانبردار بنالیا تاکہ ان کے ذریعے ان کی اقوام کو سزا دے سکے اور ان ممالک کے وسائل پر قبضہ کر سکے اور جو دیگر حکومتیں تھیں ان کو معاہدوں میں جکڑ لیا تاکہ دنیا پر قبضہ کرنے کا یہ عمل جاری رہے۔ ان جنگوں کے شعلے بھڑکانے والے امریکہ کے بڑے بڑے سرمایہ دار اور کارخانے دار، بینکار اور اسلحہ ساز فیکٹریوں کے مالک ہیں اور امریکہ کے اصل حکمران یہی لوگ ہیں امریکہ کے تمام وسائل پر انہی کا قبضہ ہے اور ان لوگوں نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا رکھا ہے انہیں دھوکے میں رکھا ہے اور اپنی سیاست کو برقرار رکھنے کے لیے امریکی عوام کے ساتھ کھلوڑا کرتے ہیں اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں کہ کس طرح انہوں نے اپنی قوم کو بے خبر اور اندھیرے میں رکھا ہے اور انہیں اپنی

خواہشات کے تابع رکھا ہے۔ جب ستمبر میں عراق پر حملہ ہوا تو صرف 3 فی صد امریکیوں کا خیال تھا کہ اس میں عراق کا قصور ہے اور جب امریکی حکومت نے اس کو جواز فراہم کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے نشریاتی اداروں کو استعمال کیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب نائٹ رائڈر نے سروے کیا تو 24 فی صد لوگ اس بات کے قائل تھے کہ ستمبر کے واقعے کے ذمہ دار عراقی ہیں۔

بڑے بڑے سرمایہ دار جن میں سے بعض یہودی ہیں وہی اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ وائٹ ہاؤس میں کس کو بٹھانا ہے۔ ایسا نہیں ہے جس طرح کہ ان کے سیاستدان ظاہر کر رہے ہیں کہ امریکی عوام شفاف انتخابات کے ذریعے صدور کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہ بڑے بڑے سرمایہ دار ہی صدر کے لیے پیشگی شرائط وضع کرتے ہیں اور منتخب ہونے سے قبل صدارتی امیدواران شرائط کو پورا نہیں کرتا تو فوراً اس کی حمایت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ جان کنیڈی۔ نکسن اور نائب صدر سیر واجینو کے ساتھ ہوا ہے۔ امریکی انتخابات کا جو ڈرامہ ہوتا ہے وہ اس طرح ہے کہ وہاں کچھ بڑے اور طاقتور افراد ہیں جنہیں ہم ناپاک پاؤں کہہ سکتے ہیں وہ اس ڈرامے کے بڑے کردار ہیں۔ اسی طرح وہاں دو بڑی پارٹیاں ہیں اور انہی دو بڑی پارٹیوں کی امریکہ میں حکمرانی ہوتی ہے دو پارٹی نظام اس لیے ہے تاکہ یہ ناپاک پاؤں جہاں چاہیں جیسے چاہیں سائیکل چلاتے رہیں اور جہاں چاہیں اسے پہنچائیں یہ ان ناپاک پاؤں یعنی بڑے تاجروں کی مرضی پر ہوتا ہے۔ اب یہ غلیظ اور ناپاک لوگ چند سال کے لیے ایک پارٹی کو اوپر لاتے ہیں اسی کا صدر منتخب ہو جاتا ہے پھر چند سال کے بعد دوسری پارٹی کو اوپر لے آتے ہیں اور اس پارٹی کا امیدوار صدر بن جاتا ہے اور یہ ناپاک پاؤں اس ملک کے خزانوں اور وسائل تک رسائی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہے مختصر کہانی جسے ہالی وڈ نے چھپا رکھا ہے اور جہاد نے اسے آشکارا کر دیا ہے۔

مزید تفصیل اس طرح یہ ہے کہ: ڈیموکریٹک پارٹی اور ریپبلکن کے درمیان صدارتی ادوار کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے تاکہ یہ دونوں پارٹیاں بڑی کامیابیاں حاصل کرتی رہیں فوائد سمیٹتی رہیں لوگوں کو دھوکہ

دینے کے لیے یہ بہت اچھی سیاست ہے طریقہ ان دونوں پارٹیوں کا یہ ہے کہ پہلے ڈیموکریٹک پارٹی مختلف ممالک میں جنگیں جھیڑتی ہے اسلحہ بچتی ہے وسائل پر قبضہ کرتی ہے پیٹرول چوری کرتی ہے ان ممالک کا روپیہ اپنے بینکوں میں کھینچ لاتی ہے ان سے دیگر فوائد اپنی مرضی کے مطابق حاصل کرتی ہے پھر اس کے بعد ریپبلکن پارٹی آتی ہے وہ امن کے لیے اقدامات شروع کر دیتی ہے اور وہ جمہوریت کے نام پر اور عالمی اقتصادیات کو سنوارنے حقوق انسانی کے تحفظ وغیرہ کے نام پر امن کی بات شروع کرتی ہے یہ بھی اسلحہ فروخت کرتی ہے پٹرول چوری کرتی ہے مال بڑھاتی ہے معاہدے کرتی ہے اس طرح لوگوں کو باور کراتی ہے کہ ہم نے پہلی پارٹی کے برعکس اچھے کام کیے حالانکہ نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے ان کے صرف ادوار بدلتے ہیں سیاست دونوں کی ایک ہے صرف طریقہ کار مختلف ہے ایک ہتھیار استعمال کرتی ہے اور دوسری پارٹی کاروبار کے نام پر لوٹ مار کرتی ہے۔ ڈیموکریٹک پارٹی ہتھیار اور ریپبلکن کاروبار کے ذریعے ایک ہی مقصد کے حصول کے لیے کام کرتی ہیں۔ دونوں نے یہ کھیل جاری رکھا ہے کہ ایک دوسرے کو موقع دیتی رہتی ہیں اور اس طرح ان کا یہ ڈرامہ جاری رہتا ہے۔ کسی کو یہ خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ریپبلکن پارٹی ڈیموکریٹک پارٹی کے برعکس کچھ کرے گی یا یہ کہ ان میں سے ایک پارٹی دوسری کی نسبت مسلمانوں کے لیے بہتر یا امریکی کی داخلی یا خارجی پالیسی میں تبدیلی ہوگی یہ دونوں پارٹیاں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں دونوں کا مقصد ہے دنیا پر قبضہ کرنا مگر دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتی ہیں کہ ایک پارٹی کے پاس جمہوری طریقے ہیں ان پر وہ عمل پیرا ہے۔ جیسا کہ لاس انجلس ٹائمز نے اپنے شمارہ 9-2002-1 میں لکھا تھا کہ اب نئے محافطوں کی جو سوچ گذشتہ صدی کے تجربات کی روشنی میں بن چکی ہے وہ دو بنیادوں پر قائم ہے:

1- ڈیموکریٹ کی حمایت ترک کرنا (اس لیے کہ اب امریکہ میں جمہوریت پھیلنے سے مایوسی ہو گئی ہے)۔

2- ریپبلکن کو بھی چھوڑ دینا (جو حکومتوں کے ساتھ تعلقات کو طاقت کے بل پر قائم رکھنا چاہتے

ہیں اور اخلاقی اقدار کو اہمیت نہیں دیتے یعنی جمہوریت اور عالمی انسانی حقوق) اور اب جبکہ ان لوگوں کو القاعدہ سے شکست کا سامنا ہے تو یہ لوگ اب اپنے جھوٹ اور دھوکے کا اعتراف کرنے لگے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ دونوں پارٹیوں کا سربراہ ایک دوسرے کے موافق کام کرتے ہیں مخالفت نہیں کرتے اور جیسا کہ بارک اوبامہ نے واضح کیا ہے کہ امریکی مفادات اور قومی امن کے لیے ہم ڈیموکریٹ کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اگرچہ ہم اس سے واقف تھے مگر ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ خود ہی اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیں جسے کئی سال تک چھپاتے رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت اس لیے چھپاتے رہے کہ اپنی قوم کا شیرازہ بکھرنے سے بچالیں جس کی ہم توقع کر رہے ہیں کہ عنقریب ایسا ہوگا۔

ڈیموکریٹ کلنٹن نے اپنے دورِ صدارت میں کئی جنگیں چھیڑیں جیسے صومالیہ، کوسوو اور بوسنیا وغیرہ اور سوڈان افغانستان اور عراق پر کئی مرتبہ حملے کیے۔ اس نے بھی وہی کیا جو اس کے پیشرو جمی کارٹر، رونالڈ ریگن اور بش (موجودہ بش کا باپ) نے کیا تھا۔ ڈیموکریٹ کلنٹن نے 1998ء میں عراق کے بارے میں تحریری دستاویز تیار کی تھی جس میں صدام کے کمزور نظام حکومت کی وجہ سے عراق میں عسکری اور مالی کارروائی کا منصوبہ بنایا تھا اور جس پر موجودہ بش نے عمل کر کے عراق میں فوج داخل کر دی جبکہ اس کی تیاری بہت پہلے سے ہو چکی تھی۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ دونوں پارٹیوں میں سے ایک اچھی ہے دوسری بری ہے تو یہ بات غلط ہوگی اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دراصل سائیکل ایک ہی ہے اس کے پیڈل پر پاؤں بدلتے رہتے ہیں کبھی ڈیموکریٹ تو کبھی ریپبلکن کا پاؤں ہوتا ہے اور کچھ لوگ ہیں جو ان دونوں پارٹیوں میں سے کسی کو اوپر لے جاتے ہیں اور کسی کو نیچے۔ جبکہ دونوں پارٹیاں ایک ہی مقصد کے لیے کوشاں ہیں یعنی دنیا پر قبضہ کرنا۔

امریکہ کے لیے القاعدہ کے خلاف ہونے والی جنگ کے نقصانات برداشت کرنا ممکن نہیں ہے۔ ڈیموکریٹ پارٹی اس جنگ میں حصہ نہ لے کر اور جمہوریت کا پرچار کر کے اس جنگ کے دکھ کو دور

کرنے کی کوشش کرے گی۔ یہ ایسی جنگ ہے جو ان کے ملک کو ہلا کر رکھ دے گی۔ ہمارے خلاف لڑنے کے لیے جس اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے وہ ان میں نہیں ہے کانگریس میں اگرچہ دونوں پارٹیوں کے افراد موجود ہیں اور اس ذلت آمیز شکست میں یہ سب شریک ہیں جو ان کو عنقریب ہونے والی ہے اور یہ شکست اللہ کے فضل اور القاعدہ اور ان کے طرز پر جہاد کرنے والوں کی وجہ سے ہوگی۔ یہ لوگ اب واپسی کے فوائد پر بحث کریں گے تاکہ میدان جنگ سے بھاگ جائیں ان کو یہ انتخابی ڈرامہ بہت مفید نظر آ رہا ہے مگر ہماری نظر میں یہ ان کی بزدلی اور ناکامی ہے۔ ان کے لیے بہتر یہ ہوگا کہ یہ لوگ بجائے اس کے کہ دنیا کے سامنے اپنی جنگوں کا جواز پیش کریں انہیں چاہیے کہ یہ اعلان کر دیں کہ امریکہ میں عوامی سیاست میں تبدیلی آگئی ہے لہذا ہم عراق و افغانستان اور جزیرہ عرب کے جہنم سے نکلنا چاہتے ہیں۔ اور یہی ایک تبدیلی ہوگی جو ان کے ادوار کے مابین فرق ثابت ہوگی۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ لوگ ناکام و نامراد شکست خوردہ ہو کر اس جنگ سے بھاگیں گے جو انہوں نے اسلام اور القاعدہ کے خلاف شروع کر رکھی ہے چاہے امریکہ میں حکومت ڈیموکریٹ کی ہو یا ریپبلکن کی یہ ہر صورت میں بھاگیں گے اور ان شاء اللہ مقابلے پر ٹھہر نہیں سکیں گے۔ اگرچہ حکومت مسلسل ڈیموکریٹ کے پاس ہی کیوں نہ ہو وہ بھی شکست کھا کر بھاگیں گے اور وہ اپنے بھاگنے کے لیے یہ بہانہ تراشیں گے کہ نئی حکومت سابقہ حکومت کی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتی ہے اس طرح ڈیموکریٹ صدر امریکہ کو میدان جنگ سے بھاگنے کا اچھا بہانہ یا جواز فراہم کر دے گا۔ ان کا بھاگنے پروگرام اور عراق کی جنگ کے لیے نیا منصوبہ اور یہ کسی وقت عراق سے بھاگیں گے اس کو ہم انشاء اللہ کسی اور مقام پر عنقریب بیان کریں گے۔

امریکہ پر اصل حکومت بعض تاجروں کی ہے جنہوں نے اپنی ڈکٹیٹر شپ قائم کر رکھی ہے وہ اپنی استبداد سرکشی اور چور بازاری کو چھپا کر میڈیا کے ذریعے خود کو انسان بنا کر پیش کرتے ہیں مگر ان لوگوں کے اصل کرتوتوں کا اندازہ امریکہ کے دفاعی بجٹ سے لگایا جاسکتا ہے امریکہ مسلسل جنگ کا بازار اس لیے

گرم رکھتا ہے کہ یہ اس مجرم گروہ کا مطالبہ ہے یہ تاجروں کا گروپ ہے جن کے ہاتھوں میں بڑے بڑے ادارے ہیں جن میں اسلحہ ساز فیکٹریاں بینکنگ کا نظام اور پیٹرول کا کاروبار ہے۔ اور اب امریکہ کا عالمی فوجی بجٹ کا 75 فی صد ہے اور دفاعی بجٹ تمام دیگر شعبوں کے بجٹ سے زیادہ ہے جن میں تعلیم اور صحت وغیرہ شامل ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس گروپ کو خوش کرنے کے لیے ہے جو امریکہ کے حقیقی حکمران ہیں اور اس طرح تمام تر اقتصادی فوائد یہ گروپ سمیٹ رہا ہے۔ لہذا اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ امریکی معیشت ہمیشہ جنگوں کے مواقع پر ہی کیوں ترقی کرتی ہے جیسا کہ پہلی جنگ عظیم کو ریاض، ویتنام اور عراق ایران جنگ وغیرہ میں ہوا ایک مضحکہ خیز بات جو امریکی ڈپلومیٹ کرتے تھے وہ اس بات پر بحث تھی کہ ایران عراق جنگ میں سب سے بری بات یہ ہے کہ اس نے ایک دن ختم ہونا ہے۔ کویت اور جزیرہ عرب کی آزادی (عراق کویت جنگ کا خاتمہ) افغانستان جنگ کا آغاز تھا۔ ڈیوڈ ملر کہتا ہے ہم جب بھی کسی جنگ میں کودتے ہیں ہماری معیشت ترقی کرتی ہے۔ یہ بات اس کی صحیح ہے مگر ایک حالت یا جنگ ایسی ہے جس میں ان کی معیشت اٹھے گی نہیں اور وہ جنگ ہے اہل حق و اہل صدق یعنی اہل اسلام اور مجاہدین اسلام سے جنگ جو کہ انہوں نے جہاد کے خلاف شروع کر رکھی ہے اس جنگ سے ان کی معیشت بیٹھے گی تو سابقہ تمام جنگوں کے برعکس اٹھ نہ سکے گی ان شاء اللہ اس دفعہ یہ لوگ القاعدہ کے خلاف جنگ میں استعمال ہونے والی اقوام کو مفید اخراجات ثابت نہیں کر سکیں گے ان کی حکومت بھی مالی و اقتصادی کساد بازاری سے شدید متاثر ہوگی۔ ان کا عراق اور افغانستان سے بھاگنا ٹھہر گیا ہے اور میرے خیال میں تو اب یہ بہت ہی کم عرصے کی بات ہے ایک فرق سابقہ جنگوں اور موجودہ میں یہ ہے کہ اس دفعہ جنگ القاعدہ نے شروع کی ہے اور وہی اپنی مرضی سے اس کو جاری رکھے گی۔

جب امریکہ اور سوویت یونین کی سرد جنگ کا خاتمہ ہوا تھا تو امریکہ اپنی ترقی سے مایوس ہو گیا تھا اور غیر متوقع طور پر جب سوویت یونین (افغانستان) کی شکست کے بعد کھڑا ہوا تو امریکہ میں فوراً ایک نئے

دشمن کی تلاش شروع کر دی گئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اب امریکہ کے سقوط کی باتیں بھی ہو رہی ہوں گی مگر یہ سامنے کی حقیقت ہم سے ان کا میڈیا چھپا رہا ہے روس کی شکست کے بعد نیٹو کا جواز بھی ثابت کرنا مشکل ہو گیا تھا اور اسلحہ سازی کے پروگرام کا جواز بھی۔ اسی طرح سب سے اہم بات یہ تھی کہ امریکی ٹیکس دہندگان کو کیسے مطمئن کیا جائے؟ اور نظر نہ آنے والے دشمن کے خلاف دفاعی معاہدوں کا کیا جواز پیش کیا جائے؟ وہ دشمن کہاں ہے جس کی وجہ سے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے؟ تاکہ امریکہ میں موجود بڑے بڑے مجرموں کو ان فوائد ملنے کا موقع میسر آ جائے۔ کمیونزم کے خاتمے (سوویت یونین کی تحلیل) کے بعد امریکی سیاست دان اور منصوبہ ساز فارغ ہو کر بیٹھ گئے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دانشوروں، سیاستدانوں اور تاجروں کو مستقبل کی فکر ہوئی مگر ان کے باہمی اختلاف رائے کی وجہ سے امریکہ کے لیے بڑی قوتوں سے معاہدے ٹوٹنے سے بچانے اور اپنی ریاستوں کو بکھرنے سے محفوظ رکھنے اور امریکہ پر قابض ٹولہ کے قبضہ کو برقرار رکھنے اور ان کے مفادات کو تحفظ دینے کے لیے کمزور دشمنوں سے نئی جنگیں چھیڑنا لازمی ہو گیا تھا کمیونزم کے خلاف جنگ میں امریکی اقوام میں باہمی اتحاد تھا مگر جیسے کمیونزم کا خاتمہ ہوا یا اسے شکست ہوئی امریکی عوام کی توجہ داخلی مسائل کی طرف مبذول ہو گئی اور اس بات نے امریکی ارباب اختیار کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالنے سے پہلے کونڈالیزا رائس امریکہ کی سلامتی امور کی سربراہ تھی اس وقت اس نے کہا تھا کہ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد یونائیٹڈ اسٹیٹس کو قومی مصلحتوں (اور مفادات) کی ترجیحات متعین کرنے میں بہت دشواری کا سامنا ہے۔

امریکہ پر حکومت کرنے والے اور اسکی معیشت پر قابض افراد کے لیے اپنی کمپنیوں کا منافع کمانے اور ملکی ترجیحات متعین کرنے میں اس وقت مشکلات ہوتی ہیں جب کوئی دشمن نہیں ہوتا جب اسامہ بن لادن حفظہ اللہ نے (9/11) کے حملوں کا حکم دیا تو یہ عالمی عسکری ایجنسیوں کے لیے اچانک اور حیران کن تھا کہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ نے امریکہ پر پہلے حملہ کر دیا ورنہ امریکہ ان پر حملہ کرنے والا تھا گویا

اسامہ نے جنگ اپنے منصوبے کے تحت چھیڑی امریکہ کے منصوبے کے تحت نہیں۔ پاکستانی ایجنسی آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل کہتے ہیں: کہ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ القاعدہ جانتی ہے کہ امریکہ عنقریب افغانستان پر حملہ کرنے والا ہے لہذا القاعدہ نے پہل کر دی اور امریکہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر جنگی منصوبوں میں یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ امریکہ نے 9 ستمبر کے اس واقع کو بہت بڑی عالمی جنگ کا سبب اور ذریعہ بنالیا البتہ اس مرتبہ کی عالمی جنگ (ملکوں کے بجائے) افراد کے خلاف تھی اور تعجب کی بات ہے کہ یہ افراد اللہ کے فضل سے امریکہ پر غالب آ گئے۔ اسٹریٹجک دشمن کی عدم موجودگی میں امریکہ کے ان بڑے مجرموں (حکمرانوں اور تاجروں) نے اس جنگ کے ذریعے اپنے مفادات حاصل کرنے کا پروگرام بنایا تا کہ اپنی خارجی ظالمانہ سیاست کو جاری رکھ سکیں جو دونوں جنگجو پارٹیوں ریپبلکن اور ڈیموکریٹک کے مفادات کی نگہبان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دہشت گردی کے خلاف بہت بڑی تیاری کی تھی ان کا خیال تھا کہ خطرہ پوری دنیا کو دہشت زدہ کر دے گا اور مجاہدین دنیا کے ہر ملک پر حملے کریں گے۔ بلکہ انہوں نے تو دھمکیاں دیں کہ جو امریکہ کا ساتھ نہیں دے گا وہ مخالف شمار ہوگا انہوں نے پوری دنیا پر نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش کی اور ان کا خیال تھا کہ اب ہمیشہ کے لیے ہمارا غلبہ رہے گا اور یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ مگر افسوس کے یہ اپنے ارادوں اور خواہشات میں ناکام و نامراد رہے۔ عراق کویت جنگ میں امریکہ کا ساتھ بہت سے ملکوں نے دیا تھا جن میں عرب ممالک بھی شامل تھے اس کے باوجود امریکہ پر قابض ٹولے کی خواہشات پوری نہیں ہو سکی تھیں اب امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام سے تمام دنیا کو اپنا ہم نوا بنا لیا اور اقوام عالم نے بلاتاخیر اور بغیر کسی پس و پیش کے امریکہ کا ساتھ دیا اس طرح امریکہ نے تمام ممالک کو اپنا ماتحت بنا لیا لیکن القاعدہ نے اس کی تمام ہوشیاری ختم کر کے رکھ دی بلکہ اسے عبرت ناک شکست دے کر پستی میں دھکیل دیا ستمبر کا حملہ افغانستان میں داخل ہونے کا سبب نہیں ہے بلکہ اس کے لیے تو بہت پہلے سے تیاری کی گئی تھی البتہ ستمبر کے حملوں کو افغانستان میں

داخل ہونے کا بہانہ بنایا گیا۔ ورنہ 9/11 اور عراق و افغانستان پر حملوں میں کیا مناسبت ہے؟ جبکہ جنگ دہشت گردی کے خلاف ہے۔ صرف مقصد ہے اپنے مفادات کے حصول کے لیے نئی جنگیں چھیڑنا۔ امریکہ نے اپنے تصورات سے بڑھ کر فوائد حاصل کر لیے اور بہت سے ملکوں کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں زبردستی اپنا ہموار اور ساتھی بنالیا (جنگ دراصل دہشت گردی کے خاتمے کی نہیں ہے بلکہ) ان کے بڑے مقاصد ہیں اپنی کمپنیوں اور فیکٹریوں کو رواں رکھنا جبکہ دیگر ملکوں کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ لیکن القاعدہ اور دیگر مجاہدین نے ان کے عزائم کو ناکام بنادیا ہے اور اب قتل شروع ہو چکا ہے۔

(امریکی مصنف) چوم نمسکی کہتا ہے: 1812ء کی جنگ کے بعد پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ امریکہ کے خلاف بھرپور حملے ہوئے ہیں یا مزید حملوں کا ڈر ہے۔

یہ 19 جانا باز ہیں یہ اسامہ حفظہ اللہ کا لشکر ہے یہ امت کے ہیرو ہیں۔ مجاہدین ہیں قائدین ہیں منصوبہ ساز ہیں کچھ کر گزرنے والے ہیں۔

امریکی وزیر خارجہ کولن پاول (سابق) نے (افغانستان پر حملے کے بارے میں) کہا تھا کہ امریکہ نے جو کچھ کیا یہ امریکہ کے مخالفین کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ حالانکہ اعلان جنگ کیا گیا مگر کوئی ملک اس کا ہدف نہیں تھا کوئی سمت متعین نہیں تھی اس لیے کہ ان کی نظر میں صرف اپنے مقاصد کا حصول تھا جو انہیں معلوم تھا اور اس مقصد کے حصول کے لیے یہ کوشاں تھے۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ان کے دشمن القاعدہ والے تو تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں کسی ایک جگہ وہ جمع نہیں ہیں۔ چند افراد نے ان (القاعدہ) کے خلاف اعلان جنگ کر دیا حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ القاعدہ کسی ایک جگہ نہیں ہے۔ اس سے یہ لوگ اچھی طرح واقف ہیں اور اس کا سرکاری طور پر اعتراف بھی کر چکے ہیں۔ یہ لوگ اپنے خیال میں بہت بڑی قوت ہیں اور اعلان جنگ افراد کے خلاف کر رہے ہیں اور افراد سے شکست بھی کھا رہے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین۔۔

یہ سب کچھ امریکہ اس لیے کر رہا ہے کہ اپنے لیے باقاعدہ دشمن تلاش کر سکے اور اس کے ساتھ سرد جنگ (یا گرم جنگ) شروع کر سکے مگر 1812ء کے بعد اب س جنگ میں ان کے مرکز کے اندر حملہ ہوا ہے اس جیسا حملہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔ 9/11 کا حملہ ایسا تھا جس نے امریکہ کی حقیقت اس کی کمزوری اور ناکام سیکورٹی کا پردہ چاک کر دیا۔ اور اس حملہ نے اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں چھی نفرت کو بھی آشکارا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ** اکبر.. ان کے منہ سے نفرت ظاہر ہو گئی ہے اور جوان کے دلوں میں ہے وہ اس سے بھی بڑی ہے۔

صدر بش نے صلیبی جنگ کا اعلان اس اطمینان کے بعد کیا ہے کہ دنیا پر قبضہ کرنے کی قوت انہوں نے حاصل کر لی ہے اس کا ساتھ اس کے گروہ نے دیا جو درندوں پر مشتمل ہے تاکہ یہ گروہ بھی مسلمانوں کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کر سکیں۔ بش نے پہلی مرتبہ انتخابی کامیابی اس بنیاد پر حاصل کی تھی کہ اسلحہ سازی کی فیکٹریوں کے منافع کے لیے پروگرام پر عمل کرے۔ تاکہ ملک کی دیگر صنعتیں بھی پیداوار میں مصروف رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بش انتظامیہ نے پہلی ترجیح ایٹمی بلیسٹک میزائل سسٹم پر دی جو میزائل شکن پروگرام تھا۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ غلط طرز سیاست ہے۔ ان کی بعض ایجنسیوں نے ان کو خبردار کیا تھا کہ دشمن کسی بھی جگہ حملہ کر سکتا ہے جیسا کہ نیروبی دارالسلام میں ان کے سفارت خانہ پر حملہ ہوا (ایجنسیوں نے یہ بھی بتایا تھا) کہ یہ میزائل پروگرام اس طرح کے دشمنوں کے مقابلے کے لیے مفید نہیں ہے۔ لیکن اسلحہ ساز واسلحہ فروش فیکٹریوں اور کمپنیوں کا اصرار تھا کہ اس پروگرام سے امریکہ کا دفاع مضبوط ہو جائے گا حالانکہ یہ لوگ صرف اور صرف اپنا منافع دیکھ رہے تھے ملک و قوم کے لیے کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مجاہدین ان کو شکست دے دیں گے مگر ایسا ہوا اور انہیں بدترین شکست ہو گئی۔

جب 9/11 کا حملہ ہوا تو انہوں نے اپنی تجارت تبدیل کر دی اور نعرہ بھی بدل دیا اور اب انہوں نے نعرہ لگایا کہ یہ امریکہ کی بقا کی جنگ ہے اب اس طریقے سے یہ اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتے ہیں

۔ شاید بعض لوگوں کو اس ملک کے ذرائع ابلاغ کے جھوٹ پر حیرانگی ہوتی ہوگی کہ کس طرح انہوں نے حقیقت کو بدلنے کی کوشش کی اور کس طرح انہوں نے امریکہ کے لاکھوں ہلاک شدگان اور مالی نقصانات کو چھپایا۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ امریکی عوام پر مسلط افراد سب مل کر ایک ہی جال سے شکار کر رہے ہیں تو پھر حیرانگی نہیں رہے گی۔

کیا ان کے میزائل ڈیفنس سسٹم نے ان کو اسلام کے 19 جانبازوں کے حملوں سے بچالیا؟ کیا امریکہ کے اتنے بڑے دفاعی نظام اور اتنے اعلیٰ معلوماتی ذرائع نے یہ معلوم کر لیا کہ یہ 19 افراد امریکہ کے وسط اور مرکز پر حملہ کرنے والے ہیں؟ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان جانبازان اسلام کے درجات بلند فرمائے اور ان کو اور ان کے والدین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ہم یہاں امریکی حکمرانوں اور ان لوگوں کا تذکرہ کریں گے جو امریکی سیاست اور ان جنگوں سے فوائد حاصل کرتے ہیں البتہ افغانستان اور عراق میں پٹرول کے لیے دخل اندازی کرنے والی کمپنیوں کے بارے میں اس لیے بات نہیں کروں گا کہ یہ مشہور معروف ہیں۔ نہ ہی میں ان کی بڑی صنعتوں اور بینکوں کے بارے میں بات کروں گا اس لیے کہ یہ بہت طویل بات ہو جائے گی میں اپنی معلومات کی حد تک تفصیلات بتاؤں گا جن سے ان حکمرانوں کی تجارت کا اندازہ ہو جائے گا۔

امریکہ کے جتنے سیاستدان اور حکمران ہیں عام طور پر ان کی اکثریت اسلحہ ساز فیکٹریوں اور کمپنیوں کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے ارکان ہوتے ہیں تاکہ سب کو یہ معلوم ہو سکے کہ امریکی صدارت کے لیے جو لوگ فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں وہ بڑے اور سیاست سے واقف لوگ ہیں یہی لوگ صدر کا انتخاب کرتے ہیں اور یہی لوگ صدر کے لیے سیاست کا تعین کرتے ہیں تاکہ ان کی کمپنیوں کے منافع کے اہداف حاصل ہوتے رہیں یہ لوگ نچلے درجے کے یعنی جانوروں کی سطح کے عوام نہیں ہوتے اس بات کی حقیقت ان کے انتخابی ڈرامے سے واضح ہو جائے گی۔

بش خاندان: یہ خاندان نسل در نسل امریکہ میں حکمران چلا آ رہا ہے اور امریکی دولت کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے اور جنگ کے دوران بش کا دادا بریسکوٹ یونین بیکننگ کارپوریشن کے سات مالکوں میں سے ایک تھا جس کے ذریعے یہ لوگ رقوم منتقل کرتے تھے پھر یہ بینک 1951 میں بند ہوا۔ اس بینک میں بریسکوٹ اور اس کے باپ کا حصہ 1.5 ملین ڈالر تھا۔ اس کا بیٹا بش (موجودہ بش کا باپ) دومرتبہ مسلسل امریکی صدر منتخب ہوا۔ اس کا بیٹا جارج ڈبلیو بش بھی مسلسل دومرتبہ صدر منتخب ہوا اور اس نے بھی باپ کی طرح اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کے لیے کام کیے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا چھوٹا بھائی جیب بش فلوریڈا کا گورنر تھا اور جب نتائج ان لوگوں کی مرضی کے مطابق نہیں آئے تھے تو اس نے دھاندلی کی تھی اور اس کا اعتراف وہاں کے ذمہ دار افراد نے بھی کیا تھا مگر اس کے باوجود جارج بش صدر منتخب ہو گیا۔ (اس طرح امریکی صدر منتخب ہوتے ہیں) جبکہ امریکی قوم سمجھتی ہے کہ یہ انتخاب صاف شفاف الیکشن کے ذریعے ہوتا ہے۔

شیخ الامام اسامہ بن لادن حفظہ اللہ فرماتے ہیں: بڑے بش نے امریکی ریاستوں پر اپنے بیٹوں کی حکومت کا اچھا انتظام کیا۔ یاد رہے کہ دھاندلیوں کی رپورٹیں فلوریڈا بھیجی جاتی تھیں تاکہ کسی بھی پریشانی میں ان سے استفادہ کیا جاسکے۔ مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ اس ادارے کی قوت اور غلبہ کتنا ہے؟ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ہم دو مجاہدوں کو مشرق بعید بھیج دیں جنہوں نے ایک چھوٹا سا جھنڈا یا کپڑے کا ٹکڑا بلند کیا ہو جس پر ”القاعدہ“ لکھا ہو پھر تمام جنرل وہاں دوڑ پڑیں گے اور وہاں امریکی انسانی، مالی اور سیاسی نقصانات کا جائزہ لینا شروع کر دیں گے اس کے علاوہ ان ممالک کے لیے کچھ بھی نہیں کریں گے سوائے اس کے کہ اپنے بعض کمپنیوں کے منافع کے لیے کچھ کر لیں۔

موجودہ بش بہت سی پٹرولیم کمپنیوں میں بھی شراکت دار ہے۔ 1990 سے کارلائل جو کہ 20 دیگر کمپنیوں پر مشتمل ہے اور اسلحہ کا کام کرتا ہے اس کے رکن بھی بنے۔ جب اس بش نے امریکہ کی

صدا رت سنبجالی تو کارلائل کے منافع میں بہت بڑی تبدیلی آئی (منافع بڑھ گیا) اس لیے کہ بش نے جس جنگ کا آغاز کیا تھا اس کے ذریعے سے اس کمپنی کو ترقی دی۔ اور یہ اس کے طریقے پر ہی ہوتا رہا جو امریکہ کے بڑے مجرمین نے بنایا تھا۔ کارلائل کمپنی میں امریکہ کے بڑے بڑے اہم عہدیدار شامل ہیں مثلاً جارج ڈبلیو بش کا باپ جارج بش۔ فرینک کارلوشی سابق امریکی وزیر دفاع، جان میجر سابق برطانوی وزیراعظم، جیمس بیکر سابق امریکی وزیر خارجہ، برینٹ سکوکرافٹ سابق مشیر سلامتی امور۔ اور ان کے علاوہ سابق امریکی سفیر اور نشریاتی اداروں کے سربراہان وغیرہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی لوگ ہیں یہی ناپاک قدم ہیں جن کی کمپنیوں کے تابع امریکی سیاست چل رہی ہے۔ جب یہ لوگ سیاست سے ریٹائرڈ ہو جاتے ہیں تو اپنی کمپنیوں میں واپس آ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے کیا توقعات رکھی جاسکتی ہیں؟

انسانی حقوق کے سربراہ لاری کلیمن کہتے ہیں: کارلائل میں بش کی شراکت امریکی مصالح کے لیے واضح طور پر تنازعات کا سبب بنی رہے گی۔ جو شخص بھی بش یا کسی بھی حکومتی عہدے تک رسائی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ کارلائل کے کسی بھی معمولی سے منافع میں شریک ہو جائے۔

ان باتوں سے امریکی ذمہ داران حکومت کی حالت کا پتہ چل جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ کس طرح امریکہ کو چلا رہے ہیں ان کی سیاست، جنگ اور صلح کی بنیاد کیا ہے؟ عرب طاغوت کیوں ان کے بڑے منافع بخش اداروں میں شریک ہیں؟ مقصد صرف ان کی رضا کا حصول ہے۔ ان کی خرابیاں بھی وہی ہیں جو ہمارے ملکوں کی ہیں۔

شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے ممالک میں یہ خرابیاں بڑے بش کے دورے کے بعد آئی ہیں اس وقت ہمارے ملکوں کے کچھ لوگوں کا خیال یا امید تھی کہ بش کے دور سے ہمارے ملکوں کو فائدہ ہوگا اور صدر بش ان حکمرانوں کو ملکی اور عسکری نظام دے گا جس کے ذریعے یہ مزید کئی عشروں تک اپنے ملکوں حکومتوں پر مسلط رہیں گے اور بلا روک ٹوک ملک و قوم کا پیسہ لوٹتے رہیں گے مگر امریکہ نے

ملکی قانون کے نام سے استبداء دیا اور آزادی کا خاتمہ کر دیا اس کام کے لیے دہشت گردی کے خلاف جنگ کو ذریعہ بنایا۔

مزید وضاحت اس طرح بھی ہو جاتی ہے کہ سلامتی کونسل میں ان کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ اس کے قواعد کے مطابق عمل کرتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ جب سلامتی کونسل سے کوئی قرارداد پاس ہوتی ہے جو ان کی خواہش یا ارادوں کے خلاف ہوتی ہے تو یہ اس کے خلاف ویٹو کا حق استعمال کرتے ہیں اس طرح صرف ظالمانہ قراردادیں پاس ہو جاتی ہیں۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت اس طرح ہو سکتی ہے کہ یہ نظریہ ظالم مجرموں کے ہاں منفقہ ہے مثلاً عرب پارلیمنٹ کے ارکان جو کہ خود کو شریعت ساز قرار دے کر شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں وہ بھی ان امریکی ناپاک لوگوں کی مخالفت نہیں کرتے وہ اپنے ممالک میں ان فاسقتوں اور مرتدوں کے احکام اور دستور کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے احکام کو تسلیم کرنے اس کے لیے جواز فراہم کرنے اور اللہ کے ساتھ شرک کو جائز سمجھنے کی ان لوگوں کو ذرا برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔ امریکہ کے یہ ناپاک لوگ تجارت کرنے اور مال جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کلنٹن کا انتخابی نعرہ ہی یہ تھا کہ اقتصادیات کو ترجیح دی جائے گی۔“

ڈک چین: اس مشاورتی بورڈ کا چیئر مین تھا جو قازقستان کے پٹرول کے معاملات کے لئے بنایا گیا تھا یہ دو پٹرول کمپنیوں شفر وں اور نکسا کو کے ساتھ تھا جو افغانستان کے پڑوسی ملکوں میں تیل کی تلاش کا کام کرتی تھیں اور ان کا مقصد تیل کی کمپنیوں کو قازقستان، تاجکستان، کرغیزستان اور ازبکستان تک محفوظ راستہ دینا تھا۔

ڈک چین 1989ء تا 1993ء وزیر دفاع کے منصب پر فائز رہا۔ اور یہ اپنے اور حکمران ٹولے کی مرضی پر چلتا رہا امریکی اقوام کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ یہ نائب صدر کے عہدے تک بھی پہنچا اور اس کا فیصلہ بند کمرے کے اجلاس میں ہوا جس میں امریکی حکام اور قائدین شریک تھے۔ 1989ء میں ڈک چین

نے دفاعی بجٹ میں کمی کے لیے فوج کی تعداد 202 ملین سے گھٹا کر 106 ملین تک کر دی تھی تاکہ فوجی بجٹ کا بڑا حصہ بڑے لوگوں کی کمپنیوں کو مل جائے۔ پہلی عراق جنگ میں بھی ڈک چینی وزیر دفاع تھا پھر یہ عراق پر امریکی قبضہ کے بعد یہ ہالبرٹون کمپنی کا سربراہ بن گیا اور عراق کی تیل کمپنیوں کی دوبارہ تعمیر ان کے ذمہ تھی۔ جب یہ نائب صدر بنا تو عراق پر دوبارہ جنگ مسلط کر دی جس کا آج تک کوئی جواز پیش نہیں کیا جاسکا ہے۔ آج کل ڈک چینی مذکورہ کمپنی اور اس کے ذیلی کمپنیوں سے منسلک ہے اور اس عہدے کی معیاد جنوری 2009ء میں ختم ہوگی۔

موجودہ بش اس کمپنی کے حصہ دار ہیں اور اس کا باپ بش اس میں مشیر ہے۔ ان کمپنیوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بش اور ڈک چینی پر شدید تنقید ہوتی رہی ہے کہ افغانستان اور عراق جنگ سے فائدہ ان کمپنیوں کو پہنچ رہا ہے مگر اس تنقید پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ 1991ء میں جب ڈک چینی وزیر دفاع تھا اس وقت اس نے جنگی مہارت والی کمپنی براؤن انڈروٹ کے ساتھ معاہدہ کیا یہ کمپنی ہالبرٹون کمپنی سے منسلک ہے جس کا سربراہ ڈک چینی ہے یہ معاہدہ 9 ملین ڈالر کا تھا اور معاہدہ اس مقصد کے لیے کیا گیا تھا کہ یہ تحقیق اور غور کیا جائے کہ مستقل میں امریکی فوج کے متبادل خاص قسم کی فوج کیسے تیار کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وزیر دفاع رفسیلڈ نے عراق پر بہت کم تعداد کی فوج کے ذریعے حملہ کیا۔ امریکہ کے اہم سرکاری عہدوں پر وہی لوگ فائز ہوتے ہیں جو ان کمپنیوں کے منافع کے لیے کام کرتے ہوں۔

اس وقت عراق میں 60 ہزار سے زیادہ فوجی کام میں مصروف ہیں جو 60 مختلف اداروں میں کام کر رہے ہیں ان میں سے ایک بلیک وائٹر کمپنی ہے جس کا کام ہے خاص جنگی کمپنیوں کو مصروف رکھنا اور ان کمپنیوں کے ذریعے وہ اہداف و مقاصد متعین کرنا جو کئی سال پہلے مقرر کیے گئے ہیں اور ان اہداف کو طویل مدتی فوجی منصوبے کے مطابق پورا کرنا۔

عراق کی پہلی جنگ میں امریکی افواج کی تعداد ایک عسکری بریگیڈ میں سو فوجیوں پر مشتمل ہوتی تھی اور اب عراق میں ان کا تناسب امریکہ کی قوت کا 10.1 فی صد ہے۔

امریکی فوجی امریکی حکمرانوں کے ہاتھوں بے بس بھی ہیں اور بے قدر و قیمت بھی اس لیے وہ ان کے ذریعے اپنے اہداف و مقاصد حاصل کرتے ہیں۔

ڈین کورب کے سربراہ پاول لومبرڈی کہتے ہیں: کہ ہم ہر قسم کی جنگ کے لیے تیار رہتے ہیں امریکی فوج کے لیے کسی جنگ سے استثناء ممکن نہیں ہے۔

اسی لیے یہ فوجی بازاروں، مساجد اور امام بارگاہوں میں پر تشدد کاروائیاں اور فائرنگ کرتے ہیں تاکہ عراق میں اشتعال برقرار رہے جبکہ یہ کاروائیاں یہ لوگ قیام امن کے نام پر کرتے ہیں ان کا فائدہ اس بات میں ہے کہ عراق میں استحکام نہ رہے اور جب ان بڑے تاجروں کی مصلحت اسلامی عراق میں شکست کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ہوگی تو یہ لوگ فائرنگ اور تشدد کی کاروائیوں میں ان فوجیوں کے ذریعے کمی کر دیں گے اور دنیا کو یہ باور کرائیں گے کہ عراق میں امن قائم ہو گیا لہذا اب یہاں ہمارے قیام کی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح یہ لوگ پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔

کوئٹہ الیزارائس: وزیر خارجہ، شیفرن کمپنی جو کہ پٹرول کی کمپنی ہے کی اہم شخصیت میں شامل ہے جب اس نے وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالا تھا تو کمپنی نے اس کے تعارف میں اس کا نام پٹرولیم کے بہت بڑے تاجروں میں شمار کیا تھا۔ اب ایسے لوگوں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ لوگ عالمی امن قائم کریں گے؟ یا فلسطین کا مسئلہ حل کریں گے؟ یا آزادی اور جمہوریت کا پرچار کریں گے؟ واقفان حال جانتے ہیں کہ ان لوگوں کا اپنا مخصوص ایجنڈا ہے جو ان افراد کے معاہدوں کی بنیاد ہوتا ہے۔ جس کو ان کے نشراتی ادارے مختلف صورتوں میں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کے یہ ڈرامے اور تھیٹر مشرقی و مغربی میڈیا کے ذریعے پوری دنیا میں نشر کیے جاتے ہیں۔ اور ان نشریاتی ادارے ان ڈراموں کو حقیقت بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اسی لیے میں نے ابتداء میں کہا تھا کہ ان لوگوں کے تذکرہ سے مجھے ابکائی آنے لگتی ہے۔ گھن آتی ہے ان کے ذکر سے۔

جب امریکی فوج بغداد میں داخل ہوئی تو اس نے وزارت پٹرولیم کے سامنے بہت سارے ٹینک لاکھڑے کیے تھے اور امریکی دستے نے اس عمارت کی حفاظت کی جبکہ بازاروں اور ہسپتالوں کی اس طرح حفاظت نہیں کی گئی۔ فوج کے ذریعے اس کو لوٹ مار کرنے والوں سے محفوظ رکھا گیا اس لیے کہ یہ ان کے اہداف و مقاصد کا اہم مرکز اور ذریعہ تھائی تو پٹرول کے حصول کا اہم ذریعہ تھا جو ہالبرٹون اور اس کے ذیلی اداروں کے۔ بی۔ آر۔ وکیلوج بروان اندروت ڈیٹیل و غیرہ کی ضرورت تھی یہ کمپنیاں امریکی حکمرانوں کی ملکیت ہیں۔

150 امریکی کمپنیوں کے ساتھ عراقی تیل نکالنے اور فروخت کرنے کا معاہدہ کیا گیا اس طرح تیل کی قیمت 50 ڈالر سے بڑھ گئی جو عراق میں امریکی مداخلت سے قبل کی قیمت سے دو گنی تھی۔ اب اندازہ کریں کہ ان حقائق کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف جنگ کا کیا تعلق ہے؟

ڈک چین جی جس ادارے ہالبرٹون کے سربراہ ہیں صرف اس ادارے نے اب 11 ملین ڈالر کا معاہدہ کیا ہے۔ نیا پٹرولیم قانون مکمل ہو چکا ہے اور اسے امریکہ کے بڑے تاجروں کی اقلیت کی مصلحت کو مد نظر رکھ کر لاگو کیا گیا ہے یہ اس دستور کے مقابل ہے جسے یہودی نوح فیدلمان نے وضع کیا تھا۔

جے گارنر: عراق میں پہلا امریکی نمائندہ جسے اپنی ذمہ داری مکمل کرنے کے بعد تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد امریکی اشاروں پر کام کرنے کے لیے اس کا جانشین محسن عبدالحمید بنا جو کہ حزب اسلامی کا سربراہ تھا اور آخری امریکی نمائندہ نوری المالکی تھا۔ جے گارنر اس ذمہ داری سے قبل 1991ء میں برفیلڈ کمفرٹ کا نگران تھا جس کا کام گُردوں کی حفاظت اور عراق کو 32 لائن تک محدود رکھنا اور اس کے طیاروں کو (اس نو فلائی زون) پر پرواز سے روکنا تھا جے گارنر ”کولمن“ کا سربراہ بھی رہ چکا ہے جو میزائل سسٹم کے تحت ہے۔ اس کی کمپنی کا پیٹنگون اور اسرائیل کے ساتھ بہت بڑا تجارتی تعلق ہے۔ جب یہ عراق میں نمائندہ بن کر گیا تو اس نے امریکی کمپنیوں کے ساتھ معاہدے کیے اور بہت بڑے

ٹھیکے ان کمپنیوں کو دیے جن کے مالک امریکی حکمران ٹولہ کے افراد تھے کہ پہلے عراق کو تباہ کیا پھر اس کی تعمیر کے ٹھیکے حاصل کیے۔

یہ سب کچھ ذاتی گروہی مفادات کے لیے ہوتا ہے۔

کون سے شفاف انتخابات یہ لوگ کریں گے جو امریکہ پرز بردستی حکومت کر رہے ہیں اور دنیا پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے مد نظر کون سی قومی مصلحت ہوگی؟

ولیم ونسٹر: سابق سی آئی اے سربراہ۔ اس نے ڈگلس کمپنی بنائی ہے جو امن خصوصی قیام کے لیے ہے!! اس کو سی آئی اے کے ملازمین چلا رہے ہیں۔ عراق میں اس کی شاخ ویگل برونز کے تحت کام کر رہی ہے یہ بغداد میں سی آئی اے کا سابق سربراہ ہے۔ اس کمپنی نے ایک اور کمپنی ڈیگلکس مشرق وسطیٰ بنائی ہے اور اس کے چالیس فی صد حصص خلیج کے لیے فروخت کیے ہیں کوئی بھی صاحب نظر دیکھ سکتا ہے کہ بڑے تاجر اور امریکی ذمہ دار امریکہ کی داخلی و خارجی سیاست کو چلا رہے ہیں یہی لوگ امریکی صدر کو منتخب کرتے ہیں چاہے وہ دونوں پارٹیوں میں سے کسی بھی پارٹی کا ہو اس کے انتخاب میں امریکی عوام کا لالعام کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔

موجودہ کانگریس میں ایک چوتھائی سے زیادہ ارکان ایسے ہیں جن کا پٹناگون سے 196 ملین ڈالر سے زیادہ کے معاہدے ہیں اور یہ معاہدے اسلحہ سازی کے معاملات سے متعلق ہیں۔ یہ کمپنیاں روزانہ کئی ملین ڈالر کماتی ہیں۔

یہ معاہدے صرف اسلحہ کے لیے نہیں بلکہ غذائی اجناس اور دوائیوں وغیرہ کے لیے بھی ہیں۔ یہ تجارت صرف اسلحہ ساز فیکٹریوں تک محدود نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ امریکی سیاست جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے یہ بڑی اسلحہ ساز فیکٹریوں مالیاتی اداروں، بینکوں اور آئل کمپنیوں کے مالک ہیں بڑی کمپنیاں جیسے پیپسی، آئی بی ایم، مائیکروسافٹ، جنسن اینڈ جنسن وغیرہ انہوں نے بھی امریکی

وزارت دفاع کے ساتھ بڑے بڑے معاہدے کر رکھے ہیں۔

جان کیری: جس کابش کے ساتھ صدارتی مقابلہ تھا جو بش کی مخالفت کا دعویدار تھا۔ یہ بھی ان کمپنیوں کے بڑے مالکوں میں سے ایک ہے جن کے پٹنا گون کے ساتھ معاہدے ہیں اور اس وقت یہ خارجی تعلقات کی سیٹیز کمیٹی کا سربراہ ہے جو خود کو حقیقت کے برعکس ظاہر کرتے ہیں۔

میں یہاں کانگریس کے کچھ ارکان کے بارے بتانا چاہتا ہوں جو جنگوں سے اپنی کمپنیوں کے لیے فوائد حاصل کر رہے ہیں ان میں سے کوئی بھی رکن ایسا نہیں جو کروڑوں نہ کماتا ہو۔ کانگریس کی قانون ساز کمیٹیوں کے سربراہ بھی بڑے بڑے تاجر ہیں جو خود کو اپنے شعبوں کا ماہر سمجھتے ہیں۔

رکن جے روکفلر: ڈیموکریٹک پارٹی کا ہے مغربی ورچینیا کے لیے نمائندے کے طور پر کام کر چکے ہیں یہ امریکہ کے سینئر افراد میں سے ہے جو موصلاتی کمیٹی کا سربراہ ہے اور اپنی مخصوص کمپنیوں کے لیے پٹنا گون سے 2 ملین ڈالر کے معاہدے کر چکا ہے۔

ایک اور رکن جین ہرمن یہ بھی ڈیموکریٹک کارکن ہے۔ یہ پٹنا گون سے خصوصی فوائد حاصل کرتا ہے جس کی مالیت 6.3 ملین ڈالر ہے۔

ایک اور رکن جیمس سنسبریز جو ریپبلکن پارٹی کا ہے یہ پٹنا گون سے 7.5 ملین ڈالر کے فوائد حاصل کر رہا ہے۔

روبن ہائس: ریپبلکن کا ہے یہ پٹنا گون سے 37.1 ملین کے فوائد حاصل کر رہا ہے۔

روڈنی فرلین جیوسن: یہ ڈیموکریٹک کا ہے یہ پٹنا گون سے 49.1 ملین ڈالر کے فوائد حاصل کر رہا ہے۔

اب ان بڑے تاجروں کے ساتھ جن عرب طاغوتوں نے معاہدے کیے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا کہ وہ کن فوائد یا مقاصد کے لیے ہیں؟

امریکہ کی فوجی شکست کے ساتھ ہی اس کی مالیاتی و اقتصادی شکست لازم و ملزوم ہے اسی لیے ہم ان لوگوں کو مبارک باد دیتے ہیں جو امریکہ کو فوجی لحاظ سے شکست دینا چاہتے ہیں۔

کانگریس کے ارکان جو خارجہ کمیٹی یا دفاعی کمیٹی میں شامل ہیں ان میں سے ہر ایک اسلحہ ساز فیکٹریوں اور عسکری خدمات فراہم کرنے والی کمپنیوں کے ذریعے 3 تا 5.1 بلین ڈالر منافع کما رہے ہیں۔

کانگریس میں اہم عہدوں پر فائز مستقل ارکان جو بڑی بڑی تجارتوں کے مالک ہیں ان میں سے جوزف لیبرمن ہے جو خارجہ امور کی کمیٹی کے سینئر ارکان میں سے ہے اور قومی سلامتی کمیٹی کا سربراہ ہے اور روبرٹ بیڈرمن ڈیموکریٹک کا ہے خارجہ تعلقات کی کمیٹی کا سربراہ ہے اس کی بھی حکومت سے بڑے فوائد ہیں۔

ہمیں اس سے غرض نہیں کہ امریکہ پر آئندہ کون حکومت کرے گا اور آنے والا القاعدہ سے شکست کھانے والا کون امریکی سربراہ ہوگا۔ القاعدہ کا اعلان ہے کہ قتال اب شروع ہوا ہے۔ امریکی صدر جو بھی بنتا ہے وہ ان بڑے اقتصادی اور تجارت کے مالکوں کی مرضی اور ان کے مقاصد کے لیے بنتا ہے۔

لہذا معلوم ہونا چاہیے کہ امریکی انتخابات صرف ایک ڈرامہ ہوتا ہے جس کا اسکرپٹ بڑے بڑے امریکی تاجر لکھتے ہیں اور یہ انتخابات خفیہ اور ظاہر دھاندلیوں سے خالی نہیں ہوتے یہی لوگ دونوں پارٹیوں کے امیدواروں کا چناؤ کرتے ہیں اور ان میں سے ایک کو صدارت کے لیے سامنے لاتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ باور کرایا جاسکے کہ صدر کا انتخاب آزادانہ اور شفاف الیکشن کے ذریعے ہوا ہے جبکہ صدارت کے لیے کسی کو منتخب کرنا اور جتوانا انہی لوگوں کا کام ہے جیسا کہ بش کے معاملے میں ہوا تھا اس بات کو دہرانا بے کار ہے کہ امریکی عوام کا اس الیکشن میں کوئی کردار نہیں ہوتا۔

امریکہ پر پہلے ہالی وڈ کا اداکار (رونالڈ ریگن) بھی حکمرانی کرتا رہا ہے کیا ایک جھوٹا آدمی (اداکاری جھوٹ ہی ہے) ہی امریکہ کی صدارت کے لیے سب سے قابل شخص تھا؟ ہاں یہی بات ہے اس لیے کہ وہ ان بڑے تاجروں کے مفاد کی تکمیل کے لیے موزوں ترین تھا۔ امریکہ پر حکمرانی کرنے والے

بدترین اخلاقی برائیوں ملوث رہنے والے افراد تھے مثلاً بش (موجودہ) اس کی قوم اس کو اس لیے پسند کرتی تھی کہ اس نے ہمیشہ دوسرے ملکوں پر اپنا حکم مسلط کیا۔ اس سے پہلے دو حکمران شرابی اور نشہ کرنے والے تھے وہ اعتراف کر چکے ہیں جبکہ موجودہ صدر او باما ہیروئن فروش ہے۔

امریکی صدر بش کے الفاظ ریکارڈ پر ہیں جب اس نے 14-05-2003 کو کاہینہ کے اجلاس میں کہا تھا کہ یہ صحیح ہے کہ میری مدد کی گئی میں ان انتخابات میں بہت بہتر اور قومی امیدواروں کے مقابل کھڑا تھا ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ بش خود کو امریکی صدارت کے لیے اہل نہیں سمجھتا تھا البتہ اسے دھاندلی کے ذریعے صدر بنایا گیا جسے امریکہ سمیت تمام دنیا کے لوگ جانتے ہیں لیکن چونکہ یہ امریکہ کے بڑے تاجروں کی خواہش تھی تاکہ اس کی صدارت کے دوران وہ اپنے مقاصد حاصل کر سکیں لہذا اس کو جتوایا۔

موجودہ حالات میں انہوں نے بارک او باما کو صدر بنایا پہلی مرتبہ سیاہ فام آدمی امریکہ کا صدر منتخب ہوا ہے۔ یہ کوئی اچانک نہیں ہوا بلکہ یہ بھی ایک منصوبے کا حصہ ہے دراصل ستمبر اور اس کے بعد القاعدہ کے حملوں کی وجہ سے امریکہ اقتصادی اور عسکری لحاظ سے کمزور ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اس کو اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہے اور اس کی ریاستوں کے منتشر ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے چونکہ اصل خطرہ ان کو ملک کے اندر سے ہے اس ملک میں ہمیشہ سے سیاہ فاموں پر ظلم ہوتا رہا ہے اب اندرونی انتشار میں سیاہ فام زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے تھے اس لیے انہوں نے ان کے خطرے کو ٹالنے اور ملک کو منتشر ہونے سے بچانے کے لیے سیاہ فام کو صدر بنالیا تاکہ یہ ملک کو متحد رکھ سکے۔ مگر ہم بھی اتنی عقل تو رکھتے ہیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ یہ لوگ اب جنگ جاری نہیں رکھ سکتے ان کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ اگرچہ یہ اپنے عوام کو باور کرا رہے ہیں کہ ہم جنگ جاری رکھیں گے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اگر بارک او باما فی الوقت کامیاب بھی ہوا تو وہ بھی عنقریب بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اگرچہ او باما کا اصل نام براق ہوا حسین یہ دراصل کیتھولک نصرانی ہے نجس ہے اس لیے کہ اللہ نے مشرک کو نجس قرار دیا ہے۔ ان باتوں سے ہم

بہلنے والے نہیں) (کہ نام نہاد مسلمان کو امر کی صدر بنایا گیا ہے) بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ نے جو فرمایا وہ سچ ہے کہ: وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔ اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہود و نصاریٰ اس وقت تک تجھ سے راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کی ملت کی پیروی نہ کریں۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے اور یہ لوگ ہمیشہ ہمارے دشمن ہی رہیں گے۔ یہ لوگ دونوں پارٹیوں کا جو بھی امیدوار جتواتے ہیں یہ جیت اس کا طریقہ کار ڈرامہ ہوتا ہے کیا ایسے ڈراموں سے ہمیں بہلایا جاسکتا ہے؟ جہاں تک بے وقوف امر کی عوام کا تعلق ہے وہ اپنی سرستیوں میں مگن ہیں اگرچہ القاعدہ کے حملوں نے ان میں سے کچھ کو بیدار کیا ہے اور وہ حقیقت سے کچھ واقف ہو رہے ہیں اور یہ اللہ کا فضل اور القاعدہ کے کارناموں کی بنا پر ہے۔ مائیکل مور بش کو مخاطب کر کے کہتا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ تم کند ذہن اور بے وقوف قوم میں موجود ہو؟ یہ بات اب میں سمجھ چکا ہوں اور میرا دل اسے ہمیشہ کے لیے تسلیم نہیں کرے گا۔

شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ نے چار سال قبل فرمایا تھا یہ بات صحیح ہے کہ القاعدہ فائدہ ہوا ہے مگر اس کے مقابلہ بش کے ادارے نے بھی بہت فائدہ اٹھایا اور کمائی کی ہے اس لیے کہ جو بڑے بڑے معاہدے اور ٹھیکے جو ہالبرٹن جیسی کمپنیوں نے حاصل کیے ہیں جن کا بش سے تعلق ہے وہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ البتہ نقصان بھی تہی کو ہوگا اور نقصان دراصل امریکی قوم اور اس کی اقتصادیات کا ہوگا۔ اگر امریکی قوم کی یہی حالت رہی تو میں ان کے سامنے ایک وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنا حقیقی انجام خود متعین کر لیں اپنے تاجر ڈرامہ نگاروں پر اسے نہ چھوڑیں میں ان سے وہی بات کرتا ہوں جو اللہ نے فرمائی: فَإِنْ اَعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا سَتَجِدُونَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّامْنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُذِّوْا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكَسُوْا فِيْهَا فَاِنْ لَّمْ يَعْزَلُوْكُمْ لَيُعْزَلُوْكُمْ وَيَلْقَوْا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ وَيَكْفُوْا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاَقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ تَقِفْتُمُوْهُمْ وَاُولٰٓئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا۔ اگر یہ لوگ الگ

ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں صلح کریں تو اللہ نے تمہیں ان کے خلاف راستہ نہیں دیا (ان سے جنگ مت کرو) تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو تم کو اور اپنی قوم کو تحفظ دیں گے جب بھی یہ فتنہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اس میں اوندھے منہ گریں گے۔ اگر یہ لوگ تم سے (جنگ کرنے سے) علیحدہ نہیں ہوتے اور صلح نہیں کرتے اور اپنے ہاتھ نہیں روکتے تو انہیں پکڑو۔ قتل کرو جہاں پاؤں ان لوگوں پر ہم نے تم کو واضح غلبہ دیا ہے۔

امریکہ میں موجود یہ ناپاک قوم اور جو بھی ان کے ساتھ ان کی مرضی پر چلتا ہے اور (دونوں پارٹیوں کے صدارتی ادوار) بدلتا رہتا ہے اور پہلے کامیاب بھی رہا ہے اور اسے مالی، اقتصادی اور عسکری شکست نہیں ہوئی تھی تو یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ القاعدہ نے اپنی صفیں درست نہیں کی تھیں اور اپنی قوت مجتمع نہیں کی تھی۔ کیا امریکہ کا یہ انتخابی ڈرامہ اور دونوں پارٹیوں کے ادوار کا تبادلہ اسے کامیابی دے گا؟ جبکہ القاعدہ کا اعلان ہے کہ اس کی قوت اور استعانت صرف اپنے ایک رب سے ہی ہے۔ اس سے پہلے کہ امریکہ اپنے مالی، اقتصادی اور عسکری شکست کا اعلان کرے القاعدہ نے اس سے پہلے جنگ سے حاصل ہونے والے نئے فوائد کا اعلان کر دیا ہے اور اب قتال شروع ہو چکا ہے۔

یہ جان لیں گے انتخابی ڈرامہ رچانے کے بعد ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ میں ان سے یہی کہتا ہوں جو ہمارے جنگی لیڈر شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ نے کہا ہے کہ خبر وہ ہے جو یہ دیکھیں گے وہ نہیں جو یہ سنتے ہیں۔

تحریر اسد الجہاد ۲ رأس حربۃ المجاہدین

5 ذی قعدہ 1429ھ 3 نومبر 2008ء

مسلم ورلڈ ویڈیو پروسیسنگ پاکستان